سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ؒ

ملفوظات

(مسلسل)

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

نواب عبدالصمد[عہ] علی خاں کے نام ـــــ جو حضرت کے مرید تھے، ایک مرید سے مکتوب گرامی تحریر کرایا، کاغذ صاف اور عمدہ نہ تھا اس پر فرمایا ؎

شیشہ[عہ] صاف ار نباشد گو سفالِ کہنہ باش
رندِ دُرد آشام باایں تکلفہا چہ کار

ایک شخص نے ایسے درود کی درخواست کی جس کے پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے ـــــ فرمایا کوئی سا بھی درود پڑھو اگر زیارت مقدر ہے تو ضرور ہوگی۔ بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی زیارت کے سلسلے میں زیادہ کوشش کرتا ہے زیادہ دیر

عہ نسخہ خطیہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں نواب عبداللہ علی خاں، نام لکھا ہے۔
عہ اگر صاف اور عمدہ گلاس نہیں تو پرانا مٹی کا پیالہ ہی سہی۔ بے تکلف اور آزاد مزاج آدمی کو تکلفات سے کیا تعلق؟

میں کامیاب ہوتا ہے اور جس کے نصیب میں زیارت ہوتی ہے وہ آسانی سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میں نجیب خاںؒ (نجیب الدولہ) کی عیادت کو (نجیب آباد) گیا ہوں (وہاں کے بعض دلچسپ واقعات بھی سنائے) پھر فرمایا کہ نجیب الدولہ کے یہاں نوسَو[9] عالم رہتے تھے۔ جن کی پانچ روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک تنخواہ تھی — تین قاضی — حنفی، شافعی اور مالکی مذہب کے موجود تھے، ایک حنبلی قاضی کو بھی بلایا تھا، مگر وہ چلا گیا۔

ارشاد فرمایا کہ سلطان عالمگیرؒ نے میر زاہدؒ کے علم و تشرع کا شہرہ سن کر ان کو ہرات سے بلالیا اور محتسبِ اکبرآباد (آگرہ) بنایا اور اس کے بعد قاضی کابل — اکبرآباد کے زمانۂ قیام میں میرزاہد نے شرح مواقف وغیرہ تین کتابوں کے حواشی لکھے اور شاگرد بھی تیار کئے۔ چنانچہ داداصاحب یعنی حضرت شاہ عبد الرحیمؒ نے جن کو میر زاہد اخوند کہا کرتے تھے (معقول کی) تمام کتابیں میرزاہد ہی سے پڑھیں اور شریک مسودۂ حواشی بھی رہے — میرزاہد کو فقہ میں کم دخل تھا ایک امیران سے شرح وقایہ پڑھنے آتا تھا اُس کو داداصاحب کی موجودگی کے بغیر سبق نہیں پڑھاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرزا جانؒ[عه] کی تقریر میری جان ہے اور اخوند کی تقریر جانِ جاں ہے۔

ایک محفل میں تحریر کی معنوی حیثیت سے اقسام بیان فرمائیں۔ پھر فرمایا کہ والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی تقریر درس وغیرہ میں وجدانگیز ہوتی تھی۔ مولوی احمد اللہ[عه] نے عرض کیا کہ حضرت والا کی تقریر بھی وجدانگیز ہوتی ہے، عوام و خواص دونوں اس کو سن کر وجد میں آجاتے ہیں — فرمایا کہ جو چیز ناپائدار اور فانی ہے اگر اچھی بھی ہو تو کیا ہوتا ہے پائدار چیز میں خوبی پیدا کرنی چاہیئے یعنی نسبت مع اللہ میں قوت پیدا کی جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اگرچہ تفسیر (فتح العزیز) بھی اچھی خاصی کتاب ہے لیکن تحفۂ اثنا عشریہ

عه میرزاہد کے استاد تھے۔

عه نسخہ مطبوعہ میں نام کی جگہ بیاض ہے، نسخۂ قلمی مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں احمد اللہ نام درج ہے۔

میں عجیب و غریب تقاریر درج ہوگئی ہیں۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جدِ بزرگوار (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) وقتِ رحلت یہ دہرہ ہندی بار بار پڑھتے تھے ؎

پات عہ جھڑنتے یوں کہے کاری بن کے رائے
اب کے بچھڑے نا ملے دور پڑیں گے جائے

ارشاد فرمایا کہ جب والد ماجدؒ مکہ معظمہ گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ایک چادر والد ماجد کے سر پر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میرے نانا کا قلم ہے۔ پھر فرمایا کہ ابھی ٹھہرے رہو میرے چھوٹے بھائی حسینؓ بھی آرہے ہیں حضرت حسینؓ نے وہ قلم اپنے دست مبارک سے تراش کر والد ماجد کو دیا — اس وقت سے حضرت والد ماجد کا حالِ نسبت اور حالِ علم تقریباً ہی دوسرا ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس سے پہلے جن لوگوں نے آپ سے استفاضہ کیا تھا وہ آپ کے اندر نسبت سابق بالکل محسوس نہیں کرتے تھے۔ قبر شریف میں بھی (بذریعہ مراقبہ) ان سابقہ نسبتوں میں سے کسی کا احساس نہیں ہوتا۔ ہر چند وہ طریقت کے ہر سلسلے میں قدرتِ تعلیم رکھتے تھے لیکن نسبتِ سنتِ نبوی کا غلبہ ہوگیا تھا۔

جب برادر عزیز القدر، فخر فضلائے زماں مولانا مولوی شاہ رفیع الدین صاحب کو مرض وفات لاحق ہوا تو حضرت والا ایک دن دو بار عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اثنار راہ میں ایک مرید نے عرض کیا کہ مولوی رفیع الدین صاحب کی زندگی سے تمام خاندان بلکہ دہلی بلکہ ہندوستان کی زندگی وابستہ ہے خدا ان کو سلامت رکھے۔ یہ سُن کر فرمایا کہ وہ

عہ مطبوعہ و قلمی نسخوں میں یہ دوہرہ قریب قریب انہیں الفاظ میں درج ہے۔ اس کے پہلے مصرعے کے بعض الفاظ کا مفہوم بھی معلوم نہ ہوسکا۔ بعض لوگوں کی زبانی پہلا مصرعہ اس طرح سُنا گیا۔ پتا ٹوٹا ڈال سے لے گئی پَوَن اڑائے ۔ بہرصورت خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب پتے ہوا کے جھونکوں سے درخت سے گرتے ہیں تو منتشر ہوجاتے ہیں۔ کوئی کہیں اور کوئی کہیں ۔ ایسے ہی موت بھی جدائی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا ایسا ہی درد ہوتا مگر جب کہ وہ ایک عالم کے لئے فیض رساں ہیں تمام عالم کو اُن کا درد ہے ۔ پھر فرمایا کہ ہماری زندگی تو برائے نام ہی ہے اس وقت جو کچھ فیض ہے ان ہی کا ہے ۔ پھر فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تمام بڑے چھوٹے ہوں یا بڑے یکساں ہیں وہ حیات و رزق کے معاملہ میں غنی مطلق ہیں اُن کو کیا پرواہ اُن کے سامنے کسی کی لیاقت اور قابلیت نہیں چلتی (کوئی لائق و فاضل ہوا کرے)۔

شاہ رفیع الدینؒ کی رحلت کے وقت بہت سے لوگ جمع تھے ۔ حضرت والا نے حفاظ سے فرمایا کہ وہ تلاوتِ قرآن مجید میں مشغول رہیں، نیز سورۂ یٰسین پڑھتے رہیں ـــ علماء، بخاری شریف کا ختم کر رہے تھے ۔ خود مراقبے میں دو زانو بیٹھے تھے (کچھ وقفے کے بعد) استفسار حال کر لیتے تھے ۔ جب کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ مولوی رفیع الدین نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی تو غمناک ہوئے اور دوسروں کو تسلی دینے کے باہر تشریف لائے ۔ قبر کے لئے جگہ تجویز ہوئی (بعد غسل) جنازہ باہر لایا گیا ۔ چہرۂ حضرت اقدس پر لگاتار آنسو بہہ رہے تھے ۔ جنازے کو خود بھی اپنے ہاتھ سے پکڑا ۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت والا جنازے کے آگے چلیں ارشاد فرمایا کہ میں یہی چاہتا تھا مگر جنازہ اٹھانے والے ہجوم نے سبقت کی، لوگ آگے بڑھ چکے ہیں میں پیچھے رہ گیا ہوں، جو کچھ منظورِ الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے ۔ میری تمام حالات اضطراری ہیں ۔ کوچوں میں پھراتے ہیں پھرتا ہوں، مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ ـــ اس کے بعد نماز جنازہ ادا کر کے لوگوں کو اذنِ عام دیا کہ جو جانا چاہے چلا جائے، پھر مقبرہ میں گئے ـــ لحد تیار کی جا رہی تھی ۔ شاہ صاحبؒ جنازے کے قریب اپنے والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی قبر کے سامنے مراقبے میں بیٹھ گئے ـــ دفن کے بعد لوگوں کو ہٹا کر قبر پر مٹی ڈالی ـــ جب قبر درست ہوگئی تو بغیر چالیس قدم چلے دُعا کر کے اور السلام علیک کہہ کر رخصت ہوئے ۔ بے حد غمگین تھے ـــ پہلے زنانے مکان میں تشریف لے گئے پھر مدرسہ میں آئے لوگوں کو رخصت کیا اور تسکین دی ـــ یہ بھی فرمایا کہ میرے مرحوم سے چار رشتے تھے، ایک تو برادر حقیقی تھے، دوسرے والد ماجد نے ایک موقع پر یہ فرما کر میرے سپرد کیا تھا کہ یہ تمہارا فرزند ہے، تیسرے میری دایہ کا دودھ انہوں نے پیا تھا ۔ چوتھے میرے شاگرد تھے ۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ مرحوم، حضرتِ والا کے مظہرِ علم تھے۔ فرمایا کیا کہوں طاقت گفتار نہیں ہے۔ بس اب سوائے وقتِ درس کے مجھ سے کچھ سوال نہ کرو۔ یہ کہہ کر گریہ طاری ہوگیا۔ جب پسِ جنازہ گریہ کناں جا رہے تھے تو اس وقت بھی لوگوں سے مولانا رفیع الدینؒ کے حالات بیان کرنے سے منع فرما رہے تھے اور فرماتے تھے کہ بس اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھو۔

شاہ رفیع الدینؒ کی وفات کے بعد ایک دن فرمایا کہ ہمارے (حقیقی) بھائیوں کی وفات میں ترتیبِ منعکسہ واقع ہوئی ہے، یعنی سب سے پہلے مولوی عبدالغنی (حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہید کے والد ماجد) جو سب سے چھوٹے تھے فوت ہوئے، بعد ازاں مولوی عبدالقادرؒ جو اُن سے بڑے تھے، اس کے بعد مولوی رفیع الدینؒ جو ان سے بڑے تھے فوت ہوئے اب میری باری ہے۔ میں سب میں بڑا تھا۔

ایک موقع پر ایک مرید سے دریافت فرمایا کہ تم نے اچھے صاحب (مارہرویؒ) کو دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں ڈھاکے سے لے کر دہلی تک اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ان کے ارشادات و توجہات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے ان میں سے ممتاز اکابر کے چند طبقات بھی میں نے قائم کئے ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ احوال بزرگانِ ڈھاکہ نیز حضرت شاہ غلام علیؒ کے بیان کرکے کہا کہ طبقہ ثانیہ میں شاہ اچھے صاحب[ع] کو باعتبارِ علم و عمل، اس فنِ طریقت کا ماہر سمجھتا ہوں۔ دوسرے شاہ نعمت اللہ صاحب[عہ]ؒ (قادری)

ع سید آل احمد عرف اچھے صاحب مارہرویؒ اپنے والد ماجد شاہ حمزہ مارہرویؒ کے مرید و سجادہ نشین اور اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے۔ آپ نے اپنے وصیت نامے میں شریعت کی پابندی کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے۔ ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو انتقال فرمایا اور مارہرہ میں اپنے اَب و جد کے قریب مدفون ہوئے۔ (انوار العارفین و نزہۃ الخواطر)۔

عہ الشیخ العارف الکبیر نعمۃ اللہ بن محبیب اللہ بن ظہور اللہ الہاشمی الپھلواروی ۱۳ محرم الحرام ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اکثر کتبِ درسیہ مولانا وحید الحق پھلوارویؒ سے پڑھیں (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

ساکن پھلواری کو بھی ایسا ہی تصور کرتا ہوں۔ پھر تھوڑے تھوڑے حالات ہر مقام کے اکابر کے مع ان کی نسبت اور کیفیت کے بیان کئے۔

ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عالم کو حافظ پر فضیلت حاصل ہے جس طرح الفاظ کو معانی پر فضیلت ہے۔ لیکن (خواہ مخواہ) کسی کو کسی پر فضیلت دینا کچھ اچھا مشغلہ نہیں ہے۔ بس خدا بہتر جانتا ہے ۔۔۔ میں نے جو عالم کو حافظ سے افضل کہا وہ موافق ظاہر ہے۔ ورنہ حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے یعنی وہ ظلم بھی کرتے ہیں اور قرآن بھی پڑھتے ہیں اور بعضے علماء ہیں کہ جو بے عمل ہیں اُن کے حق میں بھی مذمت آئی ہے۔ پھر فرمایا کہ علم دین، غذا کی مانند ہے اور دیگر علوم مسالے کے مثل ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص وجد و رقص کی حالت میں کہہ رہا تھا "عشقبازی مشکل ہے"۔ اس کے قریب ایک ایسا شخص تھا جو فکرِ معاش اور عیالداری میں پھنسا ہوا تھا اس نے بھی وجد کرکے کہنا شروع کیا کہ "کنبہ داری اور عیالداری مشکل ہے"۔

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی امام لوگوں کے جماعت میں شامل ہونے کی غرض سے قرأت کو کچھ طویل کر دے تو جائز ہے جیساکہ اس کا عکس یعنی قرأت کو کم کرنا بھی جائز و ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات میں چاہتا ہوں کہ قرأت کو طویل کر دوں، مگر کسی عورت کے بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو قرأت کو کم کر دیتا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ والد ماجدؒ نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے اُستاد سے عرض کیا تھا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا اس کو فراموش کر چکا ہوں مگر ہاں حدیثِ دوست کی برابر تکرار کرتا ہوں اور اسے یاد رکھتا ہوں ۔۔۔ فرمایا کہ والد ماجد عاشقِ جناب رسول اللہ

(گزشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ) پھر اپنے والد ماجد سے طریقت کو حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔ بہت سے علماء اور مشائخ نے آپ سے استفادہ کیا۔ آخر ماہ شعبان ۱۱۴۷ھ میں انتقال فرمایا۔ پھلواری میں آپ کا مزار مبارک ہے۔ (نزہۃ الخواطر جلد ۷)

صلی اللہ علیہ وسلم تھے . . . . وہ ۱۴ مہینے حرمین شریفین میں رہے اور وہاں کی سند حاصل کی۔ بعض وقت اُن کے اُستاد فرماتے تھے کہ اس حدیث کے معنی تم بیان کرو۔ اور سندِ اجازت میں لکھا ہے کہ اگرچہ انہوں نے سند مجھ سے حاصل کی ہے لیکن (فہم حدیث میں) مجھ سے بہتر ہیں۔

فرمایا کہ شاہ عالمگیرؒ کے حفظِ قرآن شروع کرنے کی تاریخ ایک مؤرخ نے اس آیت سے نکالی۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ——— پھر تاریخ ختم حفظ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے نکالی۔

شاہ صاحب کی پہلی محراب سنانے کی تاریخ کسی نے اس طرح کہی ہے (جو ایک محفل میں خود ہی بیان فرمائی ہوگی)۔

عبدالعزیز آں خلفِ خاندانِ فضل — کز کودکیست لطفِ ازل را باو شمول
درگاہوارہ بود کہ باشیر، دایہ کرد — انوارِ ایزدی بدلِ روشنش حلول
. . . . ؎۱ — گفتند قدسیاں کہ تراویح تو قبول
۱۱۶۹ھ

ارشاد فرمایا کہ حضرت راجے حامد شہ مانکپوریؒ ؎۲ جو کہ ہمارے پیرانِ عظامؒ میں سے ہیں

؎۱ مطبوعہ و قلمی دونوں نسخوں میں تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ درج نہیں ہے ممکن ہے کہ خود شاہ صاحب کو یہ مصرعہ یاد نہ رہا ہو۔

؎۲ مانکپور کے خاندانِ سادات گردیزی میں سے تھے ان کا خاندان قدیم سے معزز و مکرم چلا آتا تھا اور اس علاقے کے لوگ اس خاندان کے افراد کو راجے کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ آپ کا حال بھی شروع شروع میں دنیادارانہ اور سپاہیانہ تھا۔ بالآخر شیخ حسام الدین عمری مانکپوریؒ کی خدمت میں پہنچے، بیعت ہوئے اور مدتوں ان کی صحبت میں رہ کر اُن کے خلیفہ مجاز ہوئے۔ اگرچہ علمِ ظاہری کے لحاظ سے کم علم بلکہ بقولِ صاحب نزہۃ اُمّی تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آن پر کشف و شہود کے ابواب کھل گئے تھے۔ بہت سے علماء آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر کامیاب ہوئے۔ اپنے زمانے کے کبارِ مشائخِ چشتیہ میں سے تھے۔ اور اپنی روحانیت کی بنا پر (باقی حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور ہمارا سلسلۂ طریقت اُن تک پہنچتا ہے۔ قریبًا ساٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے اُن کے مزار شریف پر ایک درخت (بے ڈھب طریقے پر) اُگ آیا تھا اس وجہ سے قبر کے کھولنے اور اس درخت کی جڑوں اور (لمبی لمبی) نسوں کے نکالنے کی ضرورت پیش آئی۔ مردم شہر مانکپور بلکہ اطراف و جوانب کے آدمی جمع تھے۔ دیکھا گیا کہ حضرت مانکپوریؒ کی لاش بالکل سالم ہے اور کفن بھی سفید ہے۔ عجب تر یہ کہ ریش مبارک دراز ہوگئی تھی اور سر کے بالوں میں بھی قوتِ نامیہ کام کررہی تھی . . . اس واقعے کو بہت سے اشخاص نے مجھ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ محمد نعمان[علہ] صاحب ساکن رائے بریلی جو خاندان سادات قطبیہ کے متقی بزرگ، پیرزادے ہیں وہ بھی اس دیکھنے والے مجمع میں موجود تھے (انہوں نے بچشم خود یہ واقعہ دیکھا ہے اور مجھ سے بیان کیا ہے) راجہ حامد شاہ کی اولاد میں جو لوگ شیعہ ہوگئے تھے انہوں نے اس کرامت کے معائنے کے بعد ترکِ رفض کیا۔

فرمایا۔ قرآن شریف کی اس آیت سے کسی صاحب نے بندے کا تاریخی نام نکالا تھا فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ۔

توصیفِ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی شہادت کے وقت چھ ہزار غلام ہتھیار بند رکھتے تھے جو مستعد جنگ تھے۔ حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے ہتھیار ڈال دے میں نے اس کو آزاد کیا۔ بعض دیگر صحابہؓ سے بھی جو مقابلے میں جنگ کے لئے آمادہ تھے۔ فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ کلمہ پڑھنے والوں پر تلوار اُٹھاؤں

(پچھلے صفحہ کا باقی حاشیہ) مرجع خاص و عام بن گئے تھے . . . . . ۲۵ رشعبان المعظم ۹۰۱ھ کو شہر مانکپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے۔ (اخبارالاخیار، انوارالعارفین، نزہۃ الخواطر جلد ۴) یہ واقعہ جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا انتقال سے ڈھائی سو، پونے تین سو برس بعد پیش آیا۔ تاریخ آئینہ اودھ میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے اور مکرمی شہاب الدین فریدی مانکپوری نے بھی شہرت بلدی کے مطابق یہ واقعہ سنایا۔

علہ مولانا سید محمد نعمان، سید محمد نور کے صاحبزادے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا تھے۔ متعدد بزرگوں کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی فیضیاب تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات کے وقت یہ دہلی میں موجود تھے۔ غالبًا ۱۱۹۴ھ میں انتقال فرمایا۔

صبر و ثباتِ حضرت عثمانؓ اور اُن کے "عدم قصدِ ایذائے کلمہ گویاں" کی تعریف و توصیف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ بزرگ (یعنی صحابہؓ) سب کے سب آفتاب و ماہتاب اور اپنے اپنے کمالات میں یکتا تھے ——— سبحان اللہ ——— سبحان اللہ ——— پھر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے سب کو قتال و جدال سے منع فرما دیا اور خود مشغول تلاوتِ قرآن ہو گئے اور اسی حالت میں سر کٹوا دیا۔ اُف نہ کی۔

فرمایا کہ مولوی عبد الحکیم کے جواب میں ——— جو کہ منکرِ وحدتِ وجود تھے (مولوی) رشید الدین خاں (دہلوی) نے بندے کی مرضی اور اشارے سے کچھ لکھا ہے اس کو نقل کر لینا چاہیئے۔ میں بھی اس بارے میں عند الفرصت مختصر طور پر کچھ لکھواؤں گا۔ فرمایا کہ ملّا جلال الدین دوّانی نے اپنے زمانے کے (صوفیا و علماء پر اعتراض کرتے ہوئے) یہ رباعی لکھی ہے ———

در خانقاہ و مدرسہ گشتیم بسے   انصاف کہ در پردہ ندیدیم کسے
دیدیم بلے بیہدہ گوئے چندے   قانع شدہ از دوست ببانگ جرسے

(میں خانقاہ و مدرسہ بہت کچھ گھوما ہوں۔ سچ یہ ہے کہ میں نے وہاں کسی کو اہل نہیں پایا۔ دونوں جگہ میں نے دیکھا کہ کچھ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے والے جمع ہو گئے ہیں اور مادیت کی طرف راغب اور حقیقی دوست سے غافل ہیں)۔

میرے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ نے اس رُباعی کا جواب اس طرح دیا ہے۔

در صحبتِ اہلِ دل رسیدیم بسے   دریوزہ کناں زہر کسے یکِ نفسے
از چشمۂ آبِ زندگانی قدحے   وز آتشِ وادیٔ مقدّس، قَبَسے

(یعنی میں اہلِ دل حضرات کی خدمت میں بہت کچھ حاضر ہوا ہوں۔ میں نے ہر بزرگ سے ان کے انفاسِ طیبہ کے فیوض میں سے ایک فیض کا سوال کیا ہے۔ اُن کی برکات کے چشمۂ آبِ حیات سے ایک پیالہ پانی طلب کیا ہے اور اُن کی روحانیت کی وادیٔ مقدس کی آگ سے ایک چنگاری مانگی ہے)۔

فرمایا کہ (حضرت شاہ ولی اللہؒ طریقۂ مجددیہ سے بواسطہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ منسلک تھے) ایک مرتبہ دوسری شاخ کے بعض اشخاص نے حضرت شیخ آدمؒ پر اور ان کے سلسلے پر کچھ اعتراض

اور اظہارِ ناراضگی کیا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ؎

شخصے بخوردہ گیریٔ ما عاجزاں فتاد — زاں روکہ در طریقہ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرفِ راست بگویم زما مرنج — تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

(ایک شخص نے ہمارے اوپر اعتراض کرنے کو اپنا وطیرہ بنالیا، صرف اس بناپر کہ ہم حضرت مخدوم آدم بنوریؒ کے طریقے میں داخل ہیں — میں نے اُس عیب گر معترض سے کہا کہ میں ایک سچی بات کہتا ہوں رنجیدہ مت ہوجانا۔ وہ یہ ہے کہ تو آدمی نہیں ہم آدمی ہیں (یعنی تو سلسلہ آدمیہ میں داخل نہیں ہم اس میں داخل ہیں)۔)

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ؏ — کیا حدیث ہے؟ فرمایا اس مقولے کو میں نے کتبِ صوفیا میں دیکھا ہے (حدیث نہیں ہے) پھر اُس نے اس مقولے کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا اس وقت ضعف غالب ہے — پھر فرمایا کہ خیر مختصر سی بات کو تمہارے پاسِ خاطر سے کہتا ہوں اسی سے سب مضمون سمجھ لینا جس طرح تمہاری روح ہے کہ بدن کے کسی ایک حصّے کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں اور ہر جگہ ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور سب سے مبرّا ہے۔

نہ تو در ہیچ مکانی نہ مکانے ز تو خالی

اگر اس قدر بھی کسی نے نہ جانا تو بے شک اُس نے اللہ تعالیٰ کو کچھ نہ پہچانا۔

؏ علامہ سیوطیؒ نے ابن سمعانی کے حوالے سے اس کو یحییٰ بن معاذ رازی کا کلام بتایا ہے۔
(مجموعہ رسائل تسعہ سیوطی صہ ۲۱)